جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن اور دینِ حق ٹرسٹ محفوظ ہیں!

مذکورہ بالا دونوں ادارے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کتابوں، تحریروں اور اقتباسات کے ضمن میں اجازت دیتے ہیں کہ کوئی شخص یا پبلیشر اگر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے علمی مواد کو شائع کرنا چاہتا ہے تو وہ اشاعت سے قبل چند ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے، قیمتاً فروخت کرنے یا مفت تقسیم کرنے کے لیے، تحریری اجازت بلامعاوضہ مذکورہ بالا دونوں اداروں میں سے کسی ایک سے ضرور حاصل کر لے۔ اگر کوئی فرد پبلیشر معیّن کردہ ضوابط کی خلاف ورزی کرے گا تو اُس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

نام کتاب .... ”اعتصام باللہ (تعلق مع اللہ)“

تاریخ اشاعت (اگست 2023ء)............................ 2200

مقامِ اشاعت ... دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ چوہنگ، لاہور

مطبع .... دارالناشر پرنٹنگ پریس، لاہور

ہدیہ/انفاق 60روپے

email: markaz@tanzeem.org

website: www.tanzeem.org

فہرست

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
"اعتصام باللہ" کا تعارف	4	ذکر الٰہی	35
تعلق مع اللہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟	7	کثرتِ استغفار کا اہتمام	35
تعلق مع اللہ کی حفاظت ونشوونما	8	صحبتِ صالحین وصادقین	38
پہلا طریقہ : فکر وفہم کا طریقہ	8	اللہ کے بندوں سے محبت	41
دوسرا طریقہ: عملی طریقہ	9	صلہ رحمی	41
"اللہ ﷻ سے تعلق" کی جہات	10	اللہ سے تعلق توڑنے اور کمزور کرنے والے عوامل	44
پہلی جہت: شکرِ خداوندی	10	حرام کمائی سے اجتناب	44
دوسری جہت: اللہ تعالی کی ربوبیت پر مکمل یقین	13	بدنظری	47
تعلق مع اللہ کو مضبوط بنانے والے عوامل	14	والدین کے حقوق کما حقہ ادا نہ کرنا	49
تقویٰ کا حصول	14	بُرے ہم نشینوں کی صحبت سے اجتناب	51
تمسک بالقرآن	17	تعلق مع اللہ کے لیے جدوجہد وریاضت	52
عبادتِ رب	20	تعلق مع اللہ کو ناپنے کا پیمانہ	54
ہمارے بنیادی فرائض	24	خاتمہ کلام	55
فرض عبادات کا بندگیٔ رب سے تعلق	27		

پیش لفظ

تنظیم اسلامی کا قیام اس لیے وجود میں آیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ان کی مدد و معاون ہو۔ جیسا کہ تنظیم اسلامی کی قراردادِ تاسیس میں درج ہے۔ "ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔ اس کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور اخروی فلاح دین کا اصل موضوع ہے۔ اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے اصل نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔"

مندرجہ بالا نصب العین یعنی رضائے الٰہی ممکن ہی نہیں اگر ہم اس زمین پر اللہ ﷻ کے احکام کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی ذمہ اریاں ادا نہ کریں۔ بلوغت سے لے کر اس زندگی کے اختتام تک دین پر قائم رہتے ہوئے اپنی تمام ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

"جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتا ہوں چونکہ مجھے معلوم ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دینے سے کون کون سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

اور بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

"(اے اللہ!) تو نے مجھے دریا کے بیچ منجدھار تختے پر باندھ کر چھوڑ دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ خبردار ہوشیار رہنا، تمہارا دامن تر نہ ہونے پائے"

البتہ اس امتحان میں کامیابی اسی صورت ممکن ہے کہ اللہ ﷻ ہی سے گڑگڑا کر التجا کی جائے کہ وہ ہماری دستگیری فرمائے۔ بندہ اللہ ﷻ سے اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کرتا رہے تاکہ وہ ہم پر رحم فرما کر ہمیں اپنی خاص نصرت سے نوازے۔ اس تعلق کو مضبوط کیسے بنایا جائے؟ یہی اس کتابچہ کا موضوع ہے۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں آخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

خورشید انجم
ناظم: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت

"اعتصام باللہ (تعلق مع اللہ)" کا تعارف

سورۃ آلِ عمران آیت نمبر 101 میں ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ﴾

ترجمہ: "اور جو کوئی اللہ سے چمٹ جائے اس کو تو ہدایت ہوگئی صراطِ مستقیم کی طرف۔"

اسی طرح سورۃ الحج کی آیت نمبر 78 کے آخر میں فرمایا گیا:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ﴾

ترجمہ: "اور اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ وہ تمہارا مولیٰ ہے' تو کیا ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی اچھا ہے مددگار!"

سورۃ آلِ عمران آیت نمبر 103 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾

ترجمہ: "اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو۔"

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم کرنے کے لیے لفظ "اعتصام" استعمال ہوا ہے۔

آیئے ذرا گہرائی میں اتر کر قرآن مجید کے دیگر مقامات کی روشنی میں لفظ "اعتصام" پر غور کرتے ہیں کہ قرآن مجید "اللہ تعالیٰ سے تعلق" کی کس طرح وضاحت کرتا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح "اعتصام باللہ" کا حق ادا کرنے کی سعی کی؟ اور اس اصطلاح کی کیا وضاحت کی؟ تاکہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا بھی تعلق مضبوط ہو، ہم بھی اس کا قرب حاصل کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کریں یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں ضرور ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شمار کرلے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اعتصام باللہ (تعلق مع اللہ) کا مفہوم:

اعتصام کے لغوی معنی ہیں: کسی شے کو مضبوطی سے تھامنا۔

اعتصام باللہ کا مفہوم ہوگا کہ اللہ کو مضبوطی سے تھامنا۔ اللہ ﷻ سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانا۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ تعلق مع اللہ سے مراد ہے کہ آدمی کا جینا اور مرنا اور اسکی عبادتیں اور قربانیاں سب کی سب اللہ ﷻ ہی کے لئے ہوجائیں۔

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

(سورۃ الانعام: آیت 162)

ترجمہ: (میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العٰلمین کے لئے ہے۔)

اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے یکسو ہوکر اللہ ﷻ کی بندگی کرے۔

جیسا کہ سورۃ البینہ آیت نمبر 5 میں ارشاد گرامی ہے:۔

﴿ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ﴾

ترجمہ: "اور انہیں حکم نہیں ہوا تھا مگر یہ کہ وہ بندگی کریں اللہ کی' اپنی اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے' بالکل یکسو ہوکر اور (یہ کہ) نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں' اور یہی ہے سیدھا (اور سچا) دین۔"

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ کے معنیٰ ہیں ﴿ خَشْیَةُ اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَ الْعَلَانِیَةِ ﴾

(کھلے اور چھپے ہر کام میں اللہ ﷻ کا خوف محسوس کرنا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

(مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ) (ترمذی)

ترجمہ: ”جو لوگوں کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو تو لوگوں سے پہنچنے والی تکلیف کے سلسلے میں اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور جو اللہ کی ناراضگی میں لوگوں کی رضا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو اسے تکلیف دینے کے لئے مقرر کردے گا۔“

گویا جو شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طالب ہو، اسے چاہئے کہ وہ ہر حال میں، ہر عمل کے وقت اللہ ﷻ کی رضا کو اپنے پیشِ نظر رکھے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ) (ابوداؤد)

ترجمہ: (جس نے اللہ ﷻ کی خاطر محبت کی اور اللہ ﷻ ہی کے لیے (کسی سے) بغض رکھا اور اللہ ﷻ (کی خوشنودی) کے لیے عطا کیا اور اللہ ﷻ ہی کی خاطر (خرچ کرنے سے) رک گیا تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی۔

ہم روزانہ رات کو نمازِ وتر میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ اس تعلق کی نشاندہی کرتا ہے جو ہمارا اللہ ﷻ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس کے الفاظ پر غور کیجئے کہ ہم ہر رات اپنے اللہ ﷻ کے ساتھ کس قسم کا تعلق برقرار رکھنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

(اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَ لَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ)

(سنن کبری للبیہقی)

ترجمہ: ”اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ ہی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی پر ایمان لاتے ہیں، تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور تیری بہترین حمد وثناء کرتے ہیں۔ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور قطع تعلق کرتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لیے ہی نماز ادا کرتے ہیں اور تجھے ہی سجدہ کرتے ہیں۔

اور تیری طرف ہی دوڑتے اور لپکتے ہیں اور ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔"

پھر اس تعلق مع اللہ کی ایک تصویر اس دعا میں پائی جاتی ہے جو نبی کریم ﷺ رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھتے وقت پڑھا کرتے تھے۔

(اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ آمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَ اِلَيْكَ حَاكَمْتُ) (بخاری و مسلم)

"اے اللہ میں تیرا ہی مطیع فرمان ہوا اور تجھ ہی پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا اور تیری ہی خاطر میں لڑا اور تیرے ہی حضور اپنا مقدمہ لایا۔"

یہ ہے ٹھیک نوعیت اس تعلق کی جو ایک مومن کا اللہ ﷻ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

تعلق مع اللہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟

اس کو پیدا کرنے کی صورت صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ آدمی سچے دل سے اپنے گناہوں پر اللہ ﷻ سے توبہ کرے۔ سچے دل سے اللہ وحدہٗ لاشریک کو اپنا اور تمام کائنات کا مالک، معبود اور حاکم تسلیم کرے۔ اُلوہیت کی تمام صفات، حقوق اور اختیارات کو اللہ ﷻ ہی کے لئے مخصوص مان لے اور اپنے قلب کو شرک کے ہر شائبہ سے پاک کرلے۔ یہ کام جب آدمی کرلیتا ہے تو اللہ ﷻ سے اس کا ایک تعلق قائم ہوجاتا ہے۔

مگر صرف یہ تعلق قائم کرلینا کافی نہیں۔ یہ تعلق کمزور بھی پڑسکتا ہے۔ بلکہ کمزور ہوتے ہوتے اس طرح ٹوٹ جاتا ہے کہ انسان کو احساس تک نہیں ہوتا۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تعلق کی مسلسل حفاظت کی جائے اور اس کی بتدریج نشوونما جاری رکھی جائے۔ حفاظت اور نشوونما دو طریقوں پر منحصر ہے۔

"فکر و فہم" کا طریقہ اور دوسرا عمل کا طریقہ۔

تعلق مع اللہ کی حفاظت ونشوونما

پہلا طریقہ: فکر وفہم کا طریقہ

فکر وفہم کے طریقے سے اللہ ﷻ کے ساتھ تعلق بڑھانے کی صورت یہ ہے کہ ہم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی مدد سے ان نسبتوں کو تفصیل کے ساتھ اور زیادہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھیں جو ہمارے اور اللہ ﷻ کے درمیان فطرتاً موجود ہیں اور بالفعل موجود ہونی چاہییں۔ ان نسبتوں کا بالکل ٹھیک احساس ہمارے دل اور ذہن میں ہر وقت موجود رہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم قرآن و حدیث کو سمجھ کر پڑھیں۔ ان میں غور وفکر کریں اور ان کے مطالعہ کی تکرار کرتے رہیں۔ پھر قرآن اور حدیث کی روشنی میں جو جو نسبتیں ہمیں اپنے اور اللہ ﷻ کے درمیان معلوم ہوں، ان پر غور وفکر کر کے اور اپنی حالت کا جائزہ لے کر دیکھتے رہیں کہ ان میں سے کس کس نسبت کو ہم نے بالفعل قائم کر رکھا ہے۔ کہاں تک اس کے تقاضے پورے کر رہے ہیں اور کس کس پہلو میں ہم کیا کیا کمی محسوس کرتے ہیں۔ یہ احساس جتنا گہرا ہوتا چلا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اسی تناسب کے ساتھ اللہ ﷻ سے ہمارا تعلق بھی بڑھتا چلا جائے گا۔

مثال کے طور پر ایک نسبت ہمارے اور اللہ ﷻ کے درمیان یہ ہے کہ ہم عبد ہیں اور وہ معبود ہے۔ دوسری نسبت یہ کہ ہم زمین پر اس کے خلیفہ ہیں اور اس نے مال، اولاد اور صلاحیتوں کی صورت میں بہت سی امانتیں ہمارے سپرد کر رکھی ہیں کہ ہم ان کا کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ تیسری نسبت یہ ہے کہ ہم ایمان لا کر اللہ ﷻ کے ساتھ ایک "بیع" (سودے) کا معاہدہ کر چکے ہیں جس کے مطابق ہم اپنی جان اور مال جنت کے وعدے پر اللہ ﷻ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔ چوتھی نسبت یہ ہے کہ ہم اللہ ﷻ کے سامنے اپنے ہر ہر عمل کے بارے میں جوابدہ ہیں اور ہمارا حساب صرف ظاہر کے لحاظ ہی سے نہیں بلکہ تمام حرکات وسکنات، ہماری نیتوں اور ارادوں تک کے محفوظ ریکارڈ کی بنیاد پر

ہوگا۔لیکن یہ فکری طریقہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ زیادہ تر قائم بھی نہیں رہ سکتا جب تک عملی طریقہ سے اس کو مدد اور قوت بہم نہ پہنچائی جائے۔

دوسرا طریقہ: عملی طریقہ

عملی طریقہ یہ ہے کہ احکام الٰہی کی مخلصانہ اطاعت کی جائے۔احکام الٰہی کی مخلصانہ اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ جن کاموں کا اللہ ﷻ نے حکم دیا ہے ان کو بادلِ ناخواستہ نہیں بلکہ اپنے دل کی رغبت اور شوق کے ساتھ سرانجام دیں۔اس میں کوئی دنیاوی غرض نہیں بلکہ صرف اللہ ﷻ کی خوشنودی کو ملحوظِ خاطر رکھیں پھر جن کاموں سے اللہ ﷻ نے روکا ہے ان سے قلبی نفرت اور کراہیت کے ساتھ پرہیز کریں۔یہ طرزِ عمل ہمیں تقویٰ کے مقام تک پہنچادے گا۔اس کے بعد اگلا طرزِ عمل ہمیں احسان کے درجے تک پہنچادے گا اور وہ یہ کہ ہر اس کام میں جان لڑا کر دوڑ دھوپ کرنا جس کے متعلق آدمی کو معلوم ہو جائے کہ اس میں اللہ ﷻ کی رضا ہے۔

اس کے علاوہ ہم دنیا میں ہر اس بھلائی کو فروغ دینے کی کوشش کریں جسے اللہ ﷻ پسند فرماتا ہے اور ہر اس برائی کو مٹانے کی کوشش کریں جسے اللہ ﷻ ناپسند فرماتا ہے اور اس کوشش میں جان، مال، وقت، محنت، دل ودماغ کی صلاحیتیں غرض کسی چیز کے قربان کرنے میں بخل سے کام نہ لیں۔پھر اس راستے میں جو محنت بھی ہم کریں اور جو قربانی بھی ہم دیں اس پر ہمارے دل کے اندر کبھی فخر پیدا نہ ہو اور نہ ہی یہ خیال ہمارے دل میں آئے کہ ہم نے کسی پر احسان کیا ہے۔بلکہ بڑی سے بڑی قربانی دے کر بھی ہم یہی سمجھتے رہیں کہ اللہ کا جو حق ہم پر تھا وہ پھر بھی ادا نہیں ہوسکا۔

؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

البتہ یہ ذہن میں ضرور رہے کہ "فکروفہم" اور "عمل" دونوں کام بیک وقت کرنے ضروری ہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم خود اپنا "جائزہ" لیتے رہیں اور اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور جو جو کمیاں اور کوتاہیاں اپنے اندر محسوس ہوں، ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔

اللہ ﷻ سے تعلق کی جہات (Dimension)

پہلی جہت : شکرِ خداوندی

اللہ ﷻ کا شکرادا کرنا تعلق مع اللہ کی بنیاد ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ (سورۃ لقمان: آیت 12)

ترجمہ: "اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ شکرادا کرو اللہ کا۔"

اللہ ﷻ جس بندہ کو جتنی زیادہ عقل کی پختگی، دانائی، سمجھ، شعور اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی معرفت عطا کرے، اسے چاہیے کہ وہ اتنا ہی زیادہ اللہ ﷻ کا شکرادا کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ دانائی اور اللہ ﷻ کی معرفت حاصل بھی اسی کو ہوتی ہے جو آیاتِ آفاقی، آیاتِ انفسی اور آیاتِ قرآنی میں غور وفکر کرتا ہو۔ گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتا ہو اور اس کے لیے اللہ ﷻ سے دعا بھی کرتا ہو۔

(اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ) (ابوداؤد)

ترجمہ: "اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر اور شکر کرنے اور اچھی عبادت کرنے پر"

بندہ جتنا زیادہ اللہ کا شکرادا کرتا ہے یہ توفیق الٰہی بھی بڑھتی چلی جاتی ہے جیسا کہ خود اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ (سورۃ ابراہیم: آیت 07)

ترجمہ: "اگر تم شکرادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔"

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہمارا دل ہر وقت اللہ ﷻ کے ذکر سے لبریز رہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ ہمارا پروردگار جس طرح ہمارے خاکی وجود کے تمام تقاضوں کے لیے دنیاوی اسباب اور سامانِ زینت فراہم کرتا ہے اور درجہ بدرجہ ہماری نشوونما کر کے ہماری حیات کے مختلف ادوار سے ہمیں گزار کر ہمیں قبر تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہماری روح بھی ترفع حاصل کرے اور وہ بھی اسی طرح ترقی کرتے کرتے اپنے نقطۂ

کمال تک پہنچ جائے۔ بلکہ روحانی ترقی اللہ ﷻ کی نظر میں ہمارے لیے زیادہ ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہماری عقل کی رہنمائی اور روح کی تشنگی و سیرابی کا بھی بندوبست کیا ہے۔

اس مقصد کی خاطر سب سے پہلے تو رب کریم نے عہد الست [1] ہی میں اپنی معرفت عطا کی۔ ہمیں فطرتِ سلیمہ پر پیدا کیا۔ پھر ہماری رہنمائی اور یاد دہانی کے لیے رسول بھیجے اور وحی کا سلسلہ جاری فرمایا اور جب ہمیں اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگئی، ہم نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ وہی ہمارا خالق ہے، وہی ہماری مادّی و روحانی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ مزید برآں وہ ہمیں نقطۂ کمال تک پہنچا کر ہمیں جنت میں لازوال نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے تو پھر ہمیں بھی اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے بچھا دینا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کے آگے جھک جائیں، اپنے آپ کو پست کردیں۔ اس کے سامنے عاجزی وانکساری اختیار کریں۔ محبت، شوق اور رغبت کے ساتھ اس کے تمام احکامات کی اطاعت کریں اور اپنی پوری زندگی اس کی مکمل اطاعت کے سانچے میں ڈھال دیں۔ ہمارے پیارے پروردگار، ہمارے شفیق رب نے ہمیں دنیا میں ایک باکمال زندگی گزارنے کا سلیقہ دیا۔

ہمیں عقل کی پختگی اور شعور کی گہرائی عطا کی تاکہ ہم پورے اطمینان، بصیرتِ باطنی، کمال شوق اور رغبت کے ساتھ اس کی اطاعت کریں اور بالآخر جنت کے حقدار بن جائیں۔ لہٰذا ہمارا کل جذبۂ شکر اللہ ﷻ کی ذات پر مرتکز ہو جانا چاہیے۔ ہماری زبان

---

(۱) اس عہد الست کا ذکر سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 میں موجود ہے۔ ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔ قَالُوْا بَلٰی ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾﴾ "اور یاد کرو جب نکالا آپ ﷺ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو اور ان کو گواہ بنایا خود ان کے اوپر (اور سوال کیا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔ مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے"

ہر وقت اللہ ﷻ کا شکر ادا کرتی رہے۔ ہمارا یہ جذبہ شکر اللہ ﷻ سے ہمارے تعلق کو مضبوط بنائے گا۔ نماز میں جب ہماری زبان سے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" نکلے تو پورے شعور کے ساتھ نکلے، رکوع سے قومہ کی طرف جاتے ہوئے "حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ" (اے ہمارے رب! آپ کے لیے ہی تعریف ہے۔ ایسی تعریف جو بہت کثیر، پاکیزہ اور بابرکت ہے) پورے شوق ومحبت اور شعور و ادراک سے ادا کریں۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے بہت سی دعائیں منقول ہیں: مثلاً کھانا کھانے کے بعد ہمیں دعا سکھائی گئی:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ مُسْلِمِيْنَ) (صحیح مسلم)

ترجمہ: "کل تعریف اور شکر اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور (اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں شامل فرمایا"

آئینہ دیکھنے پر درج ذیل دعا پڑھنی مسنون ہے:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ حَسَّنَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ)

ترجمہ: "اللہ کا شکر ہے جس نے میری اچھی صورت گری کی۔ پس (اے اللہ!) میرے اخلاق بھی (اسی طرح) بہترین کر دے۔"

لباس پہنیں تو اللہ کا شکر اس طرح ادا کریں:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّىْ وَلَا قُوَّةٍ)

ترجمہ: "اللہ ہی کے لیے ہے کل حمد اور کل شکر جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور اس نے مجھے میری کسی بھی طاقت اور قوت کے بغیر یہ رزق عطا فرمایا"

اسی طرح اور بہت سی مزید مسنون دعائیں اور اذکار ہیں جو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے شروع ہوتے ہیں۔

ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیئے ہمیں چاہئے کہ ہم ان تمام مسنون دعاؤں اور اذکار کو اپنا معمول بنالیں۔

دوسری جہت: اللہ کی ربوبیت پر یقین

اللہ ﷻ سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانے کی دوسری جہت اللہ ﷻ کی ربوبیت پر یقین ہے۔ ہمیں ہر پل ہر لحہ یہ یقین رہنا چاہیے کہ اللہ ﷻ ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اس نے ہمیں صرف پیدا کر کے اس دنیا میں بے یارومددگار نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہماری کل ضروریات بھی پوری فرما رہا ہے۔ کیا ماں کے دل میں مامتا، باپ کے دل میں شفقت، بھائی بہنوں اور عزیز و اقارب کے دل میں محبت اس کی عطا کردہ نہیں ہے؟ کیا موسموں کا یہ تغیر و تبدل، یہ نظام شمسی، زمین میں انواع و اقسام کی پیداوار، نفع رساں چوپایوں کا وجود، کائنات کا یہ پورا نظام اس کی شان ربوبیت کا مظہر نہیں ہے؟ پھر انسان کو ذہن و عقل کی وہ صلاحیتیں عطا کیں جن کو استعمال کر کے وہ روز بروز نت نئی ایجادات کر رہا ہے اور مادّی و دنیاوی ترقی میں آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ پھر اس نے ہمیں دنیا میں ایک بہترین زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہماری دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔ پھر مادی ترقی تو بہت ادنیٰ درجے کی ضرورت ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہماری روحانی ترقی بھی ہو۔ وہ ہمیں درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے اور ہر درجے کی تمام ضروریات کا اہتمام فرماتے ہوئے ہمیں جنت میں اعلیٰ ترین مقام تک لے جانا چاہتا ہے۔ تاکہ ہمیں اپنے لامحدود انعامات سے نوازے۔

تعلق مع اللہ کو مضبوط بنانے والے عوامل

(i) تقویٰ کا حصول

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 101 میں اعتصام باللہ کا ذکر ہے۔ اس کے فوراً بعد آیت نمبر 102 میں گویا وضاحت فرمادی کہ تعلق مع اللہ کے حصول کیلئے تقویٰ اختیار کرو۔ فرمایا گیا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ ﷻ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔"

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟:

بچ بچ کر چلنا، پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ "تقویٰ کیا ہے" تو انہوں نے اس لفظ کی بڑی خوبصورت تشریح کی:

"اے امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل میں ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لازماً اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستہ کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرے گا کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور کانٹوں سے نہ الجھنے پائیں۔ تو اس محتاط رویے کو تقویٰ کہا جائے گا۔"

سورۃ الحشر آیت نمبر 7 میں اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾

"اور جو رسول تمہیں دیں اسے مضبوطی سے تھام لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ"

پس اللہ ﷻ سے تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اللہ ﷻ کا

تقویٰ اختیار کیا جائے۔ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش شروع کردی جائے۔ اگر تقویٰ واقعتاً دل میں موجود ہے تو انسان ہر لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے سوچے گا کہ میرے اس لفظ سے اللہ ﷻ راضی ہوگا یا ناراض۔ قیامت کے دن اللہ ﷻ کے سامنے اس کا جواز پیش کرسکوں گا یا نہیں۔ میدان حشر میں انسان کو اپنی ہر ہر حرکت کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایات ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے علی! کسی نامحرم عورت پر پہلی مرتبہ اچانک نگاہ پڑ جائے تو معاف ہے لیکن اگر دوسری مرتبہ اٹھ گئی تو وہ معاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسان کا ارادی عمل ہے۔(ترمذی)

زبان، کان اور آنکھ کے ہر ارادی عمل کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 36 میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝٣٦ ﴾

ترجمہ: "یقیناً سماعت، بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل تھا کہ جب کبھی راستہ چلتے ہوئے کانوں میں گانے بجنے کی آواز آتی تھی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور ساتھ چلنے والے سے پوچھتے تھے کہ اب تو آواز نہیں آرہی۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! "وہ کون سی چیز ہے جس سے مجھے سب سے زیادہ خوفزدہ رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا: اس سے" (ترمذی)

حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بے باکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔ (مسند احمد)

قرآن مجید میں ارشادربانی ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝١٨ ﴾ (سورۃ قٓ: آیت 18)

ترجمہ: ”انسان زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک مستعد نگران رہتا ہے“۔

یعنی یہ کہ ہمارے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا سے جو حرکت بھی سرزد ہو، وہ اس احساس کے ساتھ ہو کہ مجھے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ ہر وقت یہ احساس رہے۔ پھر فرمایا کہ: ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾

یعنی معمولی تقویٰ نہیں بلکہ تمام حدود و قیود کے ساتھ تقویٰ مطلوب ہے۔ گویا کہ حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور زبان سے کسی بھی لمحہ کوئی بھی حرکت اللہ ﷻ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ جبکہ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر، کبھی بھول کر، کبھی غیر شعوری طور پر لیکن اللہ ﷻ ساتھ ہی بہت غفور، بہت رحیم بھی ہے۔

لہٰذا سورۃ التغابن آیت نمبر 16 میں یہ وضاحت بھی فرما دی:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

”اللہ ﷻ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تم کر سکتے ہو“

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیں کہیں یہ غلط فہمی لاحق ہو جائے کہ ہم بڑے کمزور ہیں۔ ہم میں استطاعت ہی نہیں اور یہ سوچ کر انسان تقویٰ اختیار کرنے کی شعوری کوشش ہی چھوڑ دے۔ اللہ ﷻ جہاں ”غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“ ہے وہاں اسے یہ بھی خوب اچھی طرح علم ہے کہ کس آدمی کے پاس تقویٰ کی کتنی صلاحیت ہے۔ لہٰذا اگر کبھی یہ خیال دل میں آ جائے تو فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔

مزید برآں تقویٰ کوئی ایک بار حاصل کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ تقویٰ کی رَوِش مرتے دم تک اختیار کرنی ہے۔ موت آئے تو اس حالت میں آئے کہ انسان اللہ ﷻ کی عبادت میں مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم کرنے کے لئے تقویٰ کی روش پر چلنا ”مہد سے لحد“ تک کے مترادف ہے یعنی تقویٰ کی رَوِش پر مسلسل آگے بڑھتے رہنا ہے جب تک فرشتۂ اجل نہ آ پہنچے چونکہ شیطان انسان کو آخری سانس تک بہکاتا رہتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ انسان جتنا تقویٰ کی رَوِش پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، تقویٰ کی راہ پر چلنا انسان کے لئے مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِلّا یہ کہ اللہ ﷻ ہی اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب یہ شخص حلال وحرام سے آگے بڑھ کر مشتبہات سے بھی بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اس راستہ پر چلتے ہوئے انسان مسلسل اللہ ﷻ سے استقامت کی دعا مانگتا رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتا ہے۔

جیسا کہ سورۃ محمد آیت نمبر 17 میں وارد ہوا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾﴾

ترجمہ: "اور وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں اللہ نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ان کے حصہ کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔"

اور سورۃ العنکبوت آیت نمبر 69 میں ارشاد گرامی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾﴾

ترجمہ: "اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(ii) تمسک بالقرآن:

تمسک سے مراد ہے مضبوطی سے پکڑ لینا۔ لہٰذا تمسک بالقرآن کا مطلب ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑنا جیسے سورۃ مریم آیت نمبر 12 میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

"اے یحییٰ! اس کتاب (تورات) کو مضبوطی سے پکڑو"

اسی طرح سورۃ آل عمران کی آیت 103 میں ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو"

یا اس کا یہ بھی ترجمہ ہے "پوری کی پوری رسی کو مضبوطی سے پکڑو"

اس رسی سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک

طویل حدیث میں ملتی ہے جس میں خود حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

(وَهُوَ حَبْلُ اللهِ الْمَتِينُ) (جامع ترمذی)

"یہ قرآن ہی اللہ ﷻ کی مضبوط رسی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری حدیث بھی مروی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے اسی بات کی مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔

(كِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ)

قرآن ہی اللہ ﷻ کی وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ قرآن مجید کے رسی ہونے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

(عَنْ أَبِي شُرَيْحِ الْخُزَاعِيِّ ، قَالَ : خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : أَبْشِرُوا أَبْشِرُوا ، أَلَيْسَ تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ؟ ، قَالُوا : نَعَمْ ، قَالَ : فَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ ، فَتَمَسَّكُوا بِهِ ، فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا وَلَنْ تَهْلِكُوا بَعْدَهُ أَبَدًا) (صحیح مسلم)

ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا "خوش ہو جاؤ خوش ہو جاؤ کیا تم لوگ یہ شہادت نہیں دیتے کہ اللہ ﷻ ہی معبود برحق ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں"، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا! جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا "یہ قرآن ایک رسی ہے اس کا ایک سرا اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو کیونکہ اس کے بعد تم ہرگز نہ گمراہ ہو سکتے ہو اور نہ ہلاک"۔

سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 103 اور درج بالا احادیث سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ گمراہی سے بچے رہیں، صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں یہاں تک کہ آخرت میں ہلاکت اور بربادی سے بچ جائیں اور بامراد ہوں تو اس کے لیے

پورے کے پورے قرآن پر خود بھی عمل کرنا ہوگا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس پر عمل کی تلقین کرنی ہوگی۔ تاکہ ہم سب مل کر پورے کے پورے قرآن مجید پر عمل کرنے والے بن جائیں۔

اس ضمن میں آپ سے گزارش ہے کہ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے کتابچہ "قرآن مجید کے حقوق" کا بغور مطالعہ کریں اور اس میں بیان کردہ پانچوں حقوق پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کریں۔ البتہ اس پر عمل کرنے کے مختلف درجات ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ایک عامی شخص جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو۔ اسے چاہئے کہ سب سے پہلے وہ حتی الامکان اس کی تلاوت سیکھنے کی کوشش کرے۔ تلاوت کرنی آجائے تو ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کرے۔ دروسِ قرآن کے حلقوں میں باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ جاکر فہم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور پھر جیسے جیسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا چلا جائے۔ ویسے ویسے ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش بھی شروع کردے۔ البتہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی آیات میں اپنی بساط بھر غور وفکر کرے۔ مختلف تفاسیر سے مدد لے، عربی زبان سیکھے۔ اسے اس بات کے قابل ہونا چاہئے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ترجمہ سامنے رکھے بغیر اس کے مطالب سمجھ سکتا ہو۔ اسے اس بات کا احساس ہو کہ خود اللہ ﷻ مجھ سے ہم کلام ہیں۔ اس کے اعضاء وجوارح پر اللہ ﷻ کی ہیبت طاری ہو۔ جہاں عذاب کی بات آئے وہاں اللہ ﷻ سے عذاب کی پناہ مانگے۔ جہاں اللہ ﷻ کی رحمت کا ذکر ہو وہاں اللہ ﷻ سے اس کی رحمت کا سوال کرے۔ جہاں کسی بات کا حکم دیا جارہا ہو وہاں اپنا جائزہ لے کہ کیا میں اس حکم پر عمل کررہا ہوں؟ اگر پہلے سے عمل پیرا ہے تو اللہ ﷻ کا شکر ادا کرے۔ اگر اس حکم پر عمل میں کوتاہی ہورہی ہو تو اللہ ﷻ سے سچے دل سے توبہ کرے اور پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ سے اس حکم پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ اسی طرح جہاں کسی کام کو کرنے سے روکا جارہا ہو وہاں بھی اپنا جائزہ لے۔ اگر وہ پہلے سے اس گناہ سے بچا ہوا ہے تو اللہ ﷻ کا شکر ادا کرے، اور آئندہ بھی بچے رہنے پر اللہ ﷻ

سے استقامت کی دعا مانگے۔ اور اگر وہ گناہ سرزرد ہو رہا ہو تو توبہ کرے اور آئندہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنے کا پختہ عزم کرے۔ اس طرح تلاوت کی روزانہ کی پابندی سے ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔

(iii) عبادتِ رب

اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط ہو ہی نہیں سکتا جب تک ہم پورے خلوص کے ساتھ اللہ ﷻ کی کلّی اطاعت پر کاربند نہ ہو جائیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں اپنے فرائضِ دینی کے اجمالی تصور کا اچھی طرح فکری شعور بھی حاصل ہو جائے اور عملی طور پر ہم اس پر پوری طرح کاربند بھی ہو جائیں۔

کسی بھی مسلمان کا سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ انسان یہ عزمِ مصمّم کرلے کہ اب میں اپنی آئندہ زندگی اللہ ﷻ کا بندہ بن کر گزاروں گا۔ بندگیٔ رب سے مراد ہے کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھا جائے کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کا اس معاملہ میں کیا حکم ہے؟

سورۃ الحشر: آیت 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾

ترجمہ: "اور جو رسول دیں انہیں مضبوطی سے تھام لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ ﷻ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

سورۃ التغابن: آیت نمبر 12 میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

ترجمہ: "اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچانے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔"

عبادت کی روح:

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت تو ایک طرح سے عبادت کا ظاہری جسد ہے تاہم عبادت کی روح کے ضمن میں ہمیں درج ذیل باتوں کی طرف بھی توجہ

دینی چاہیے۔

(۱) عاجزی:

انسان نے اپنے آپ کو پوری طرح اللہ ﷻ کے سامنے بچھا دیا ہو۔ پست کر دیا ہو اور اپنی مرضی سے اللہ ﷻ کی مرضی کے حق میں دست بردار ہو گیا ہو۔

عربی میں اس کیفیت کو قنوت بھی کہتے ہیں جیسے سورۃ آل عمران آیت نمبر 17 اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾

ترجمہ: "صبر کرنے والے اور راست باز اور عاجزی اختیار کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور اوقاتِ سحر میں مغفرت چاہنے والے۔"

(۲) محبت:

اللہ ﷻ کے سامنے یہ جھکنا اور یہ اطاعت، محبت، شوق، دل کی پوری آمادگی اور رغبت کے ساتھ ہو۔ اس بارے میں ہمیں یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ ﷻ کی محبت و اطاعت اور رسول ﷺ کی محبت و اطاعت دونوں ایک ہی چیز کے دو رُخ ہیں جن کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔

یعنی عبادت صرف ظاہری عبادت ہی نہ ہو، بلکہ وہ عبادت جس میں اطاعت کے ساتھ ساتھ محبت کی چاشنی بھی شامل ہو، اللہ ﷻ کے ساتھ ایک ذاتی تعلق اور ذاتی محبت کا رشتہ بھی موجود ہو اور دل کی پوری آمادگی ہو۔ یہ ذوق، شوق اور محبت، عبادت کی روح ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت 165 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

ترجمہ: "اور جو لوگ واقعتاً صاحبِ ایمان ہوتے ہیں ان کی شدید ترین محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔"

(۳) سنت اور تعامل صحابہ:

عبادت کے ضمن میں یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ صرف وہ عبادت ہی قبول ہوگی جو درست طریقے پر کی گئی ہوگی۔ ہر وہ عمل، جو خود اپنی عقل سے ایجاد کرلیا گیا ہو، جس کا قرآن وسنت سے کوئی تعلق نہ ہو، نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے ہمیں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہو، رد کر دیا جائے گا۔

(۴) خواہشِ نفس کی پیروی اور غیر مسنون رسوم ورواج سے اجتناب:

جس طرح توحید کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں شرک کو بھی سمجھنا ہوتا ہے، اسی طرح عبادت کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں اس کی ضد "استکبار" کو بھی سمجھنا ہوگا۔

سورۃ المؤمن کی آیت نمبر 60 میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾

ترجمہ: "اور تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری ہر پکار قبول کروں گا۔ یقیناً جو لوگ میری عبادت سے سرتابی اور سرکشی اختیار کریں گے وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

یعنی عبادت کی ضد یہ طرزِ عمل ہے کہ اللہ ﷻ کی مرضی کے مقابلے میں اپنی مرضی اور اللہ ﷻ کے حکم کے مقابلہ میں اپنے نفس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔

اسی بات کو اللہ ﷻ نے سورۃ الفرقان آیت نمبر 43 میں اس طرح بیان کیا ہے:

﴿ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾

ترجمہ: "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔"

ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہے گا کہ میں اپنی خواہشِ نفس کی عبادت کرتا ہوں۔ وہ یہی کہے گا کہ میں تو اللہ ﷻ کو اپنا معبود مانتا ہوں۔ دراصل اللہ ﷻ کے حکم کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی یا زمانے کے چلن اور معاشرہ کے غلط اور غیر مسنون رسوم ورواج کی تقلید کرنا ہی عبادت کی ضد استکبار ہے۔

(۵) اخلاص:

اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے عبادت میں اخلاص بھی ضروری ہے۔

سورۃ الزمر آیت نمبر 2 تا 3 میں اللہ ﷻ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ ﴾

ترجمہ: "(اے نبی ﷺ!) ہم نے حق کے ساتھ اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ پس آپ اللہ کی بندگی کیجئے اپنی پوری اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ (لوگو!) آگاہ ہو جاؤ کہ اطاعتِ خالص اللہ ہی کا حق ہے۔"

یاد رکھیں کہ پُرخلوص اطاعت بس اللہ ﷻ ہی کے لئے ہے۔

پھر اسی سورۃ میں آگے چل کر آیت 11 میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾

ترجمہ: (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ﷻ کی اس طرح عبادت کروں کہ میری مکمل اطاعت صرف اس کے لئے خالص ہو جائے۔)

اسی طرح سورۃ البینہ آیت نمبر 5 میں اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾

ترجمہ: "اور نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی۔ خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔"

کسی شخص نے امام ابن تیمیہؒ سے پوچھا کہ عبادت کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا وہ عمل جو اَخلص اور اَصوب ہو۔ اَخلص سے مراد ہے کہ صرف اللہ ﷻ کو راضی کرنے کے لئے وہ عمل کیا گیا ہو اور اَصوب سے مراد ہے کہ عمل درست طریقہ پر کیا گیا ہو۔ جس کی سند قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے ثابت ہو۔

(۲) کُلّی اطاعت:

عبادت صرف چند اعمال اور مراسمِ عبودیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ صدیوں کے انحطاط اور مسلسل زوال کے باعث ہمارے ذہنوں میں یہ تصور راسخ ہو گیا ہے کہ بس نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ادا کر دینا ہی عبادت ہے۔ یہ تصورِ دین محدود ہی نہیں مسخ شدہ بھی ہے۔ عبادت دراصل پوری زندگی میں اللہ ﷻ کے سامنے بچھ جانے کا نام ہے۔ عبادت اس طرزِ عمل کا نام ہے کہ کمالِ محبت وشوق اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ زندگی کے ہر معاملہ اور ہر گوشہ میں اللہ ﷻ کا حکم مانا جائے۔ اپنی آزادی وخود مختاری اور اپنی مرضی سے اللہ ﷻ کے حق میں دست بردار ہوا جائے۔ اپنی پسند اور ناپسند کو اللہ ﷻ کی مرضی اور اس کی رضا کے تابع کر دیا جائے۔ ہمارا اخلاق اور ہمارے معاملات قرآن کریم کے تابع ہو جائیں۔ ہماری زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا ایک نمونہ بن جائے۔ ہمارے کاروبار، ہمارے روز وشب، ہماری گھریلو زندگی اور ہماری ملازمتیں ان میں سے کوئی چیز بھی سنت رسول ﷺ سے ہٹ کر نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا ہو رہا ہو۔ لوگوں کو دین کی دعوت بھی دی جا رہی ہو۔ اس راستہ میں جو مصائب اور پریشانیاں آئیں، ان پر صبر بھی ہو رہا ہو۔ اگر تو یہ سب کچھ ہے تب تو عبادت مکمل عبادت ہے ورنہ عبادت جزوی رہے گی اور جزوی عبادت کی سورت میں آخرت میں گرفت کا اندیشہ ہے۔

(iv) ہمارے بنیادی فرائض

اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط ہونا تو درکنار، تعلق پیدا ہونا ہی ناممکن ہے اگر ہم نے اللہ ﷻ کی مکمل اطاعت نہ کی اور مکمل اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اپنی ان ذمہ داریوں کا پورا شعور ہو جو بطور ایک مسلمان ہم پر عائد ہوتی ہیں اور جن ذمہ داریوں کا شریعت ہم سے مطالبہ کرتی ہے۔ قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہمارے ذمہ تین بنیادی فرائض ہیں۔

ا۔ہم دین پر خود کاربند ہوں۔

ب۔جس دین پر ہم خود کاربند ہیں اس کو پھیلائیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔

ج۔تیسرے یہ کہ ہم اس دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔

ان تینوں فرائض کا تعلق قربِ الٰہی یا اعتصام باللہ کے ساتھ لازم وملزوم کا ہے۔جتنا اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ انسان خود بھی دین پر انفرادی حیثیت سے عمل کرے گا۔اس کی یہ بھی خواہش ہوگی کہ دوسرے بھی اس دین پر عمل کریں تاکہ وہ بھی اللہ ﷻ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔اس کے لیے وہ دین کی دعوت وتبلیغ کی جدوجہد میں لگ جائے گا۔دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد جماعتی زندگی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔لہذا وہ کسی ایسی جماعت کو تلاش کرے گا جو اس کو اس کا نصب العین حاصل کرنے میں ممدومعاون ہو۔

دین پر خود کاربند ہونا:

ہماری سب سے پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ ہم اپنی ذاتی اور انفرادی زندگی میں اللہ ﷻ کے احکامات پر عمل کریں۔حلال روزی کمانے کی جدوجہد کریں۔حرام سے کلیتاً اجتناب کرنے کی کوشش کریں۔اپنے ذمہ تمام فرائض ادا کرنے کی کوشش کریں۔مکروہات و مشتبہات سے بچنے کی شعوری کوشش کریں۔صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کریں۔گھر میں شرعی پردہ کا اہتمام کریں۔غضِ بصر سے کام لیں۔مخلوط محافل سے اجتناب کریں۔شعائر اسلام کا احترام کریں۔محلے میں بیماروں کی خبر گیری کریں۔پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کریں۔محلے میں کوئی فوت ہوجائے تو اس کی نماز جنازہ میں ضرور شرکت کریں۔صداقت،حق گوئی،امانتداری اور وعدہ کی پاسداری پر قائم رہنے کی شعوری کوشش کریں اور ان تمام معمولات میں "احسان" کی روش اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

دعوت و تبلیغ:

دعوت و تبلیغ کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہوتا کہ آدمی دوسروں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے جو اس کی عاقبت کے لیے مفید ہے بلکہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی کی اپنی اصلاح بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔

تبلیغ حق کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس میں مشغول ہوگا، اس کی اپنی ذات پر وہ حق خود بخود واضح ہوتا چلا جائے گا، جس حق کی تبلیغ میں وہ سرگرم ہوگا۔ وہ اس حق کی تائید میں دلائل ڈھونڈے گا، اس راستہ کی رکاوٹیں دور کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔ اس طرح وہ اس فریضۂ دعوت و تبلیغ میں مزید مصروف ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی خاطر طرح طرح کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرتا ہے، گالیاں اور طعنے سنتا ہے، الزامات اور اعتراضات برداشت کرتا ہے۔ بسا اوقات چوٹیں کھاتا ہے اور ستایا بھی جاتا ہے۔ تو یہ ساری تکالیف اس حق کے ساتھ اس کے عشق کو اور زیادہ بڑھاتی چلی جاتی ہیں۔ اس طرح اللہ ﷻ کے ساتھ اس کا تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر یہ تبلیغ اس کی تکمیل میں ایک اور طرح سے بھی مدد کرتی ہے۔ جب وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دو (مثلاً سود، بے پردگی اور بے حیائی کے کاموں سے بعض آجاؤ) تو گرد و پیش کے تمام لوگ خوردبین لگا کر اس کی زندگی کا جائزہ لینا شروع کر دیتے ہیں اور اس کی کوئی ایسی خامی نہیں رہ جاتی جس کی نشاندہی کرنے سے زبانیں چوک جائیں۔ اس طرح تبلیغ کرنے والے شخص کی اصلاح میں بہت سے بندگانِ خدا دانستہ یا نادانستہ لگ جاتے ہیں۔

اقامتِ دین:

ہم پچھلے صفحات میں سمجھ چکے ہیں کہ ہمارے ذمہ دینی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد بھی ہے۔ پھر دین کو قائم کرنے کی جدوجہد انفرادی سطح پر ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے لیے ایک ایسی منظم جماعت میں شمولیت کی ضرورت ہے جس کا نظم سمع و طاعت پر مبنی ہو۔ جس کا نظم فوجی ڈسپلن کی طرح Listen and Obey کی بنیاد پر قائم ہو۔ اب جو شخص بھی کسی ایسی منظم جماعت میں خوب سوچ سمجھ کر شامل ہوتا

ہے کہ یہی جماعت فی الواقع اقامت دین کی جدوجہد کے لیے قائم ہوئی ہے اور اس کی دعوت، طریقِ کار اور اصول وہی ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والی ایک جماعت کے ہونے چاہییں تو اب اس شخص کو ٹھیک اسی سمع و طاعت فی المعروف کی پابندی کرنی چاہیے جس کا حکم قرآن وحدیث میں دیا گیا ہے۔ اس سمع وطاعت کی پیروی کوئی آسان کام نہیں۔ اس کی پابندی کرنے کے لیے اسے اپنے نفس پر مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ بہت سے احکامات پر عمل کرنا اس کا نفس پسند نہیں کرتا۔ وہ یہ مشقت صرف اللہ ﷻ کو راضی کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اس طرح اس کی اپنے نفس کے خلاف یہ مشقت اس کے تعلق مع اللہ میں مسلسل اضافہ کرتی چلی جاتی ہے۔ اسے اپنے اوقات اور اپنے مال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ بسا اوقات نظمِ جماعت کی پابندی اس کی معاشی جدوجہد، اس کے کیریئر اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی جدوجہد میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس طرح اس کی یہ تمام قربانیاں اسے اللہ ﷻ سے قریب تر کرتی چلی جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو شخص بھی فرائض دینی کے جامع تصور کو سمجھ لیتا ہے اور اس کے مطابق اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کی جدوجہد شروع کر دیتا ہے، اپنی ذاتی زندگی میں بھی اللہ ﷻ کے تمام احکامات پر عمل کرتا ہے، دوسروں کی اصلاح کرنے اور ان تک دینِ کو پہنچانے کی جدوجہد کرتا ہے، اقامت دین کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت میں شامل ہو کر سمع وطاعت کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ ﷻ کے ساتھ اس کا ایک ذاتی تعلق بننا شروع ہو جاتا ہے، اور آہستہ آہستہ اس میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح جتنا تعلق مع اللہ ﷻ میں اضافہ ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ وہ اپنی ذمہ داریاں بھی ادا کرنے میں مستعد ہوتا چلا جاتا ہے اور مزید انہماک سے اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔

(v) فرض عبادات کا بندگیٔ رب سے تعلق

قرآن مجید کی اصل دعوت عبادتِ رب کی ہی ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 21 میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

ترجمہ: ”اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس پروردگار کی جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی تا کہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ“

اس عبادت پر کاربند رہنا کوئی آسان کام نہیں۔ انسان پوری زندگی اور تمام عمر اس طرح گزار دے کہ ایک لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی میں بسر نہ ہو، مشکل ہی نہیں، ناممکن سا محسوس ہوتا ہے۔

لہٰذا اللہ ﷻ نے ہم پر کرم فرمایا کہ عبادتِ رب کو آسان بنانے کے لیے چار عبادات عطا فرمادیں جو پانچ ارکانِ اسلام میں سے ہیں۔ ان میں سے ایمان تو بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ عملی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں آتا ہے۔

(عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ) (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ ﷻ کے رسول ہیں‘ نماز قائم کرنا‘ زکوٰۃ ادا کرنا‘ بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا“۔

ہر شخص شہادتین (توحید و رسالت) کی گواہی سے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یہ گویا بنیاد ہے۔ عملی ستون چار ہیں، نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج بیت اللہ۔ یہ عبادات اس فریضہ عبادت کے لیے انسان کو تیار کرتی ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

نماز:

ان میں پہلی سب سے اہم چیز نماز ہے۔ انسان اپنی معاشی جدوجہد اور دنیا کے دوسرے معمولات میں اس حد تک مصروف ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کو بھی بھول جاتا ہے۔ گویا اللہ ﷻ کی اطاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ غفلت اور بھول ہے۔

نماز انسان کو دن میں پانچ مرتبہ ان تمام مصروفیات سے نکال کر اللہ ﷻ کی یاد میں مشغول کراتی ہے۔ نماز کا اصل مقصد یادِ الٰہی ہے تاکہ اسے یاد رہے کہ وہ اللہ ﷻ کا بندہ ہے اور اسے زندگی کے تمام معاملات میں اللہ ﷻ سے کیے ہوئے عہد کی پابندی کرنی ہے۔ نماز کے ذریعہ اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط ہوگا اور قربِ الٰہی حاصل ہوگا۔

فرض نماز کے لیے نہ صرف تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام کیا جانا چاہیے بلکہ پہلی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اذان سے پہلے ہی تیار ہو کر مسجد پہنچ جائیں۔ سنن مؤکدہ خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ اس کے علاوہ حسبِ استطاعت اشراق اور صلوٰۃ حاجت وغیرہ کا بھی ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اگر اللہ ﷻ کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہوئی ہے۔ مثلاً اولاد عطا ہوئی ہے یا بیماری سے شفا حاصل ہوگئی یا کوئی دعا جو ہم نے بہت رو رو کر مانگی تھی وہ قبول ہوگئی تو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں۔ اس طرح اگر کوئی خطا ہوگئی یا کسی کی ہم نے دل آزاری کردی تو فوراً دو رکعت توبہ کے طور پر ادا کریں۔ یاد رہے اگر بندوں کی حق تلفی کی گئی ہو تو توبہ کے ساتھ ساتھ بندوں سے معافی بھی ضرور مانگنی چاہیے۔ اس طرح اللہ ﷻ سے ہمارا ذاتی تعلق بڑھتا چلا جائے گا اور اخلاص کی صفت ہمارے اندر بیدار ہوگی۔ تاہم خیال رہے کہ اگر انسان چوکنا نہ رہے تو نوافل اور بالخصوص نمازِ تہجد سے ایک خطرناک قسم کا ریا اور تکبر انسان کے اندر پیدا ہونے کا امکان رہتا ہے۔ جس سے نہ صرف تمام محنت ضائع ہوجائے گی بلکہ ہوسکتا ہے الٹا لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ لہٰذا ریا اور تکبر کے بارے میں بھی اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

نمازِ تہجد:

تہجد کی نماز تو تعلق مع اللہ کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے بغیر تو تعلق مع اللہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ نبی اکرم ﷺ پر تو یہ نماز فرض تھی۔

تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی ذوق و شوق سے تلاوت، تسبیح و تکبیر، حمد، استغفار اور دعا پر خاص توجہ دینی چاہیے۔ تہجد کی نماز میں طویل قیام، تہجد کا اصل جز ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ قرآن کریم حفظ ہو۔ پھر نہ صرف یہ کہ حفظ ہو بلکہ اس کا ترجمہ بھی آتا ہو۔ مزید برآں یاد بھی ایسا اچھا ہو کہ اسے ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر معانی پر غور کر کے پڑھا جا سکتا ہو۔

رکوع و سجود بھی لمبے لمبے ہوں۔ سجدے میں رِقت کے ساتھ مسنون دعائیں بھی مانگی جائیں۔ تہجد کی ایسی نماز اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط کرنے میں بہت معاون ہوگی۔ رات کے آخری پہر میں تہجد کی نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ زیادہ زور تعدادِ رکعات کے بجائے طویل قیام اور خشوع و خضوع پر دیا جائے۔ خواہ صرف دو رکعت ہی سے ابتدا کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

(اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ الصَّلٰوۃُ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ)

(صحیح مسلم)

ترجمہ: "فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات (کے آخری حصہ) کی نماز ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے نماز تہجد کی تاکید کرتے ہوئے اس کی چار خصوصیات گنوائی ہیں:

(عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّہٗ دَأْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَھُوَ قُرْبَۃٌ لَّکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ وَمَکْفَرَۃٌ لِّلسَّیِّاٰتِ وَمَنْھَاۃٌ عَنِ الْاِثْمِ) (جامع الترمذی)

ترجمہ: "حضرت ابو امامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"

قیامُ اللّیل (یعنی نماز تہجد پڑھنے کو) ضروری جانو۔ کیونکہ:

1) وہ تم سے پہلے بھی صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

2) تمہارے لئے تمہارے رب کے قرب کا وسیلہ ہے۔

3) گناہوں کو مٹانے والی ہے۔

4) معاصی سے روکنے والی ہے۔

رات کے آخری پہر تہجد کی نماز ادا کرتے ہوئے بندہ اور اس کے رب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ اس وقت اگر سمجھ کر نماز میں قرآن پڑھا جا رہا ہو اور وہی کیفیت ہو جو علامہ اقبالؒ نے بیان کی ہے تو یقین کیجئے ہمیں کچھ عجیب ہی لطف محسوس ہوگا اور یقیناً انوار و برکات کی بارش ہوگی۔ اور وہ کیفیت ہوگی کہ

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب گرہ کشا ہے رازی، نہ صاحب کشاف

اور بقول ماہر القادری

یہ کون رات کے پچھلے پہر ہے محو سجود دعا کو ابھی سے ڈھونڈ رہی ہیں تاثیریں

تہجد کے وقت کے تین اہم کام دعاء، سوال اور استغفار ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

(عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر وہ فرماتا ہے: کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے مجھ سے استغفار کرنے والا تاکہ میں اس کی مغفرت کروں۔" (بخاری)

ذرا غور کیجئے کہ ہمارا پروردگار ہم پر کتنا مہربان ہے کہ ہر رات پکار لگاتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے؟ کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے؟ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے؟ اور ہم ہیں کہ غفلت کی نیند سوئے رہتے ہیں۔

سورۃ السجدہ آیت نمبر 16 میں مومنین کی صفات کرتے ہوئے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

ترجمہ: "علیحدہ رہتے ہیں ان کے پہلو اپنے بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ الذاریات آیات نمبر 15 تا 19 میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾﴾

ترجمہ: "متقی لوگ بے شک باغوں اور چشموں میں اس طرح رہیں گے کہ ان کا پروردگار انہیں جو کچھ عطا کرے گا، وہ اسے وصول کر رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اس سے پہلے نیک عمل کرنے والے تھے۔ وہ رات کے وقت کم سوتے تھے اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال و دولت میں سائلوں اور محروم لوگوں کا باقاعدہ حق ہوتا تھا۔"

اب اگر ہم بھی اپنا شمار ان متقی لوگوں کی فہرست میں کرانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم تہجد کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری آمدنی میں سے ایک مقرر حصہ غریبوں کے لیے وقف ہو۔

یہ خیال رہے کہ یہ مقرر حصہ آمدنی کی نسبت سے ہی ہو۔ اللہ نے وسعت دی ہے تو یہ مقرر حصہ بھی وسیع ہو اور اگر ہاتھ تنگ ہے تو مقرر حصہ قلیل بھی ہو سکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ آیت ہماری رہنمائی کر رہی ہے کہ اگر ہم جنت کے طالب ہیں تو ہمیں درج ذیل کام

کرنے ہوں گے۔

تہجد کا اہتمام۔

تہجد کے وقت استغفار۔

خوف اور اُمید کے ساتھ اللہ ﷻ سے دعا۔

انفاق فی سبیل اللہ۔

سورۃ الفرقان آیات نمبر 64 میں عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ ﷻ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾

ترجمہ: "اور وہ لوگ جو راتیں گزارتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے میں اور کھڑے رہ کر۔"

یعنی اللہ ﷻ کے حقیقی اور پسندیدہ بندے وہ ہیں جو راتیں گزارتے ہیں اس حال میں کہ اللہ ﷻ کے حضور کھڑے رہتے ہیں اور سجدے میں گرے رہتے ہیں۔

لہٰذا اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رات کے آخری پہر تہجد کا اہتمام کیا جائے۔ اس سلسلے میں درج ذیل تجاویز ممد ومعاون ثابت ہوں گی۔

1) عشاء کی نماز سے پہلے اپنی تمام مصروفیات مکمل کرلیں۔ کھانا عشاء کی نماز سے پہلے کھالیں اور نمازِ عشاء کے بعد جلد از جلد سونے کی کوشش کریں۔ حتیٰ الامکان کوشش کریں کہ بعد نمازِ عشاء کوئی مصروفیت نہ رکھی جائے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "نمازِ عشاء کے بعد گفتگو کرنا نہیں ہے ماسوائے دو آدمیوں کے، نمازی اور مسافر، یا گھر والوں کے ساتھ کوئی ضروری بات چیت" (مسند احمد)

2) رات گئے نہ تو کسی سے ملنے جائیں اور نہ ہی کسی کو مدعو کریں۔ رات دیر تک مطالعہ نہ کریں۔ عام دنوں اور عام حالات میں اپنے ان معمولات پر سختی سے عمل کریں یہاں تک کہ تہجد کی عادت انتہائی پختہ ہو جائے۔ البتہ جب تک آخری پہر میں اٹھنا مشکل ہو تو نمازِ عشاء کی سنتوں کے بعد دو یا چار رکعت تہجد کی نیت سے ادا کرلیں تو بہتر ہے۔

زکوٰۃ:

عبادتِ رب کے راستے کی دوسری سب سے بڑی رکاوٹ حُبِّ دنیا ہے۔ حُبِّ دنیا بھی دراصل حُبِّ مال ہی کا منطقی نتیجہ ہے۔ چنانچہ مال کی محبت کم کرنے کے لیے زکوٰۃ کا نظام تجویز کیا گیا۔ مال میں سے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات نکالنے اور انہیں اللہ ﷻ کی خوشنودی کے لیے صَرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ آیت نمبر 103 میں حضور اکرم ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

"(اے نبی ﷺ!) ان کے اموال میں سے صدقات وصول کیجئے تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔ اور ان کے لیے دعا کریں بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے۔"

روزہ:

عبادتِ رب کے راستہ کی تیسری سب سے بڑی رکاوٹ ہمارے نفس کی خواہشات اور داعیات ہیں۔ اگر تو یہ خواہشات و داعیات حدِ اعتدال اور جائز حد تک رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر نفس کے اندر ہیجان اور اشتعال کا مادّہ بھی موجود ہے جو انسان کو حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے اور جائز حدود کو پار کرنے پر اُکساتا ہے۔ نفس کے اس منہ زور گھوڑے کو قابو میں کرنے کے لیے روزہ فرض کیا گیا۔

فرض روزے تو ہم رکھتے ہی ہیں، نفلی روزے بھی تقویٰ کے حصول اور تعلق مع اللہ بڑھانے کا ایک ذریعہ ہیں، وہ تقویٰ جسے قرآن مجید روزہ کا مقصود بتاتا ہے۔ نفلی روزوں کی بہترین اور معتدل صورت یہ ہے کہ کم از کم ہر ماہ تین دن کے روزوں کا اہتمام کیا جائے۔ علاوہ ازیں 9، 10 محرم، یوم عرفہ، ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے روزوں کا بھی اہتمام کیا جائے۔ ہر پیر اور جمعرات کو روزہ رکھنا بھی مسنون ہے۔

حج:

حج ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں وہ تمام چیزیں جمع ہوگئی ہیں جو ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس میں یادِ الٰہی بھی ہے۔ وقتی طور پر دنیاوی تعلقات اور مصروفیات ومعاملات سے کٹ جانا بھی ہے۔ انفاقِ مال بھی ہے اور جسمانی مشقت بھی۔ نیز نفس کے تقاضوں کو ضبط میں رکھنے کی مشق بھی ہے۔

(vi) ذکرِ الٰہی:

اللہ کا ذکر زندگی کے تمام احوال میں ہر وقت سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے زبان پر جاری رہنا چاہیے۔ ذکر کا بہترین اور صحیح ترین طریقہ وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ اذکار اور دعاؤں میں سے جس قدر ہو سکے، زبانی یاد کرلیں مگر الفاظ کے ساتھ ساتھ ان کے معانی بھی ضرور ذہن نشین کرلیں اور معنوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان اذکار اور دعاؤں کو پڑھتے رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ کو مرکوز رکھنے کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔

(vii) کثرتِ استغفار کا اہتمام:

جو شخص اپنے آپ کو ناقص سمجھتا ہے، اس کی اصلاح کا امکان موجود رہتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو کامل اور اکمل سمجھتا ہے، نہ تو وہ مزید ترقی کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کی روح کو ترفع حاصل ہوسکتا ہے۔

توبہ و استغفار انسان کا اپنے رب کے حضور اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ ناقص ہے، گناہ گار ہے اور خامیوں اور کوتاہیوں سے اس کا دامن بھرا ہوا ہے۔ وہ بہتر بننا اور ترقی کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے کہ بندہ اس کی مدد کے بغیر نہ تو ترقی کرسکتا ہے اور نہ ہی اپنی ذات کو خوبصورت بنا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے کا مطلب ہے کہ بندہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ

کی طرف پلٹ آیا۔ اس نے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم کرلیا۔ توبہ کے مفہوم میں ایسا مخلصانہ اعترافِ گناہ شامل ہے جس میں بہانہ تراشی اور عذرلنگ نہ ہو اور آئندہ جرم نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔ توبہ کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ بندہ آئندہ ہر ممکن حد تک گناہوں کی تلافی کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے تو بندہ کا حق واپس کرے یا اس کے حق کی تلافی کرنے کی حتی الوسع کوشش کرے، بصورتِ دیگر اس سے اپنی غلطی معاف کرائے۔

توبہ واستغفار صرف ایک مرتبہ کرنے کا کام نہیں ہے بلکہ یہ تو مسلسل کرنے کا کام ہے۔ توبہ واستغفار کا اہتمام تو معصوم انبیاء کرام بھی کیا کرتے تھے، اگرچہ وہ رفع درجات کے لیے ہوتا تھا، کجا یہ کہ ہم جیسے ناکارہ انسان جن سے انجانے میں بھی غیر شعوری اور غیر محسوس طریقہ پر نہ جانے دن میں کتنے گناہ سرزد ہوجاتے ہیں اور کتنے ہی ضروری کاموں سے غفلت برتتے رہتے ہیں۔

استغفار سے مراد دراصل اللہ ﷻ سے، جو ہر شخص کے ظاہری و باطنی گناہوں سے خوب اچھی طرح واقف ہے، یہ درخواست ہے کہ:

1۔ وہ گناہوں کی پردہ پوشی کرے اور انہیں دوسروں پر ظاہر نہ کرے۔

2۔ ان کے بارے میں محاسبہ نہ کرے۔

3۔ ان پر سزا نہ دے۔، اور بخش دے۔

آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: "وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْ لَنَا"

"اے اللہ ہمیں معاف کردے اور ہماری مغفرت فرما"

مزید برآں ہمیں چاہیے کہ درج ذیل آیات کو ترجمہ کے ساتھ زبانی یاد کر کے وقتاً فوقتاً اکثر پڑھتے رہا کریں۔ اللہ ﷻ سورۃ الانعام آیت نمبر 54 میں فرماتا ہے۔

1) ﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ترجمہ: "جب آپ ﷺ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلامتی ہو' تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے" (اور تمہارے لیے اللہ ﷻ کی خاص رحمت کا مظہر یہ ہے) کہ تم میں سے جو کوئی کسی برے کام کا ارتکاب کر بیٹھے گا جہالت کی بنا پر' پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

سورۃ الزمر آیت نمبر 53 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

2) ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

ترجمہ: "(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! اللہ ﷻ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا' یقیناً اللہ ﷻ سارے گناہ معاف فرمادے گا۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

اسی طرح سورۃ آلِ عمران آیت 135 میں ارشاد الٰہی ہے

3) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: "اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کسی بے حیائی کا ارتکاب ہو جائے یا اپنے اوپر کوئی اور ظلم کر بیٹھیں تو فوراً انہیں اللہ ﷻ یاد آجاتا ہے، پس وہ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔ اور کون ہے جو معاف کر سکے گناہوں کو سوائے اللہ ﷻ کے؟ اور وہ اپنے اس غلط فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔"

پھر سورۃ ہود آیت نمبر 90 میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ﴾

ترجمہ: "اور استغفار کرو اپنے رب کے حضور' پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب رحیم بھی ہے' محبت فرمانے والا بھی۔"

گویا توبہ واستغفار سے بندہ اللہ ﷻ کی رحمت اور محبت کا امیدوار بن جاتا ہے۔

اسی طرح سورۃ ہود آیت نمبر 61 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴾

ترجمہ: ”بے شک میرا پروردگار قریب ہے اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔“

توبہ واستغفار سے بندہ اللہ کے قریب ہوجاتا ہے۔ اور اللہ ﷻ بندے کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ، جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَّخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) (ابوداؤد)

ترجمہ: ”جو شخص استغفار کو لازم کرلے، اللہ ﷻ اس کے لیے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے۔ اور ہر غم کو دور کردیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“

(viii) صحبت صالحین وصادقین:

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنا فارغ وقت اِدھر اُدھر ضائع کرنے کے بجائے نیک اور ہم خیال لوگوں کی صحبت میں گزارے۔ ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے جنہوں نے اس کی طرح دین کی اقامت کو اپنا نصب العین بنالیا ہو۔ اس طرح انسان یا تو دوسروں سے کچھ سیکھ رہا ہوتا ہے یا دوسروں کو کچھ سکھا رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اہلِ نظر اور اہلِ علم لوگ ہمیشہ سے اچھی صحبت کی تاکید کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی کئی مقامات پر مومنین کو صحبتِ صالحین اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

سورۃ الکہف آیت نمبر 28 میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝٢٨﴾

ترجمہ: ”اور اپنے آپ کو روکے رکھیے اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح وشام وہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں‘ (جس سے لوگوں کو یہ گمان ہونے لگے کہ) آپؐ دُنیوی زندگی کی آرائش وزیبائش چاہتے ہیں! اور مت کہنا مانیے ایسے شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو چکا ہے۔“

غور تو کریں کہ حضور اکرم ﷺ کو ہدایت دی جارہی ہے کہ ان غریب مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب لوگوں کے ساتھ وقت گزاریں۔

اسی طرح سورۃ التوبہ آیت نمبر 119 میں اللہ ﷻ یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔“

اس آیت سے پہلے منافقین کے طرز عمل کا بیان ہے، سیاق وسباق اور آیات کا نظم صاف واضح کر رہا ہے کہ اے مومنو! اگر تم نفاق سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ کے تقویٰ کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ سچے لوگوں کی صحبت بھی اختیار کرو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی سورۃ التوبہ 119 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

((مع ابی بکر وعمر، رحمۃ اللہ علیھما))

یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہو جن کی نیتیں سچی ہیں اور ان کے دلوں اور اعمال میں استقامت ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اُس دور میں حضور اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل حزب اللہ کے نام سے جماعت موجود تھی جس نے دین کو قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد کی تھی۔

اور سچوں کی تعریف اللہ ﷻ نے سورۃ الحجرات آیت نمبر 15 میں یوں بیان فرمائی ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شک میں ہر گز نہ پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستہ میں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔“

اسی طرح سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر 177 میں صادقین اور متقین کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: ”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر، اور یوم آخر پر، اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیا اس نے مال اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور سائلین کو اور گردنوں کے چھڑانے میں اور قائم کی اس نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے ہمیں اپنے عہد کو جبکہ کوئی عہد کر لیں اور بالخصوص صبر کرنے والے ہیں فقر و فاقہ میں، تکالیف و مصائب اور جنگ کے وقت یہی لوگ سچے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً متقی ہیں۔“

صادقین کی جو تعریف سورۃ الحجرات آیت نمبر 15 میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے غلبہ کے لیے جہاد کر رہے ہیں۔ جب کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 میں اس جہاد کے نتیجے میں آنے والے مصائب و مشکلات اور آلام پر صبر کرنے کی تلقین ہے۔ ظاہر ہے یہ تمام مراحل انفرادی زندگی میں آ ہی نہیں سکتے۔ اس کے لیے لازماً کسی جماعت میں شامل ہو کر جدو جہد کرنی ہوگی۔ ایسی جماعت جس میں شامل فرداً فرداً ہر شخص

کا نصب العین بھی آخرت کی فلاح ہو۔ اور اس جماعت کا بھی نصب العین اپنے ساتھیوں کی فلاح ہو۔ یہ جماعت تمام انفرادی و اجتماعی فرائض کی ادائیگی پر زور دیتی ہو، اس جماعت کے پیش نظر عبادتِ رب کا وسیع مفہوم ہو، دعوت کا کام بھی ہو اور اللہ ﷻ کے دین کی سربلندی اور غالب کرنے کی جدوجہد بھی ہو۔ یہی سورۃ الحجرات میں بیان کردہ جہاد کا مفہوم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم اللہ ﷻ سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے سچے اور راست باز لوگوں کے ساتھ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں جو پورے کے پورے دین پر عمل کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی قربانیاں، ان کے خلوص اور ایمان کی کیفیت سے ہمارے دل بھی متاثر ہوں گے اور ہم بھی ان جیسے بننے کی کوشش کریں گے۔

(ix) اللہ کے بندوں سے محبت

تعلق مع اللہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ ﷻ کے بندوں سے محبت کی جائے۔ اس کے بندوں کو ستانے سے پرہیز کیا جائے۔ قطع رحمی سے بچا جائے۔ قریبی رشتہ داروں، پڑوسیوں، والدین اور بہن بھائیوں سے اچھا سلوک روا رکھا جائے۔ قریبی پڑوس اور قریبی لوگوں میں جو لوگ بیمار ہوں ان کی عیادت کریں۔ اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ اگر کسی کی کوئی مالی حاجت ہو تو ہر ممکن حد تک ان کی مدد کریں۔ ضرورت پڑنے پر ان کا سودا سلف لا کر دے دیں۔ کسی بھی مشکل میں ان کا ساتھ دیں۔ ان کا ہاتھ بٹائیں۔

(x) صلہ رحمی:

صلہ رحمی کا عمل قریبی رشتہ داروں سے شروع ہو کر تمام انسانیت تک محیط ہے۔ جو ہمارے جتنا زیادہ قریب ہوگا۔ وہ اتنا ہی زیادہ ہماری صلہ رحمی کا مستحق ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی اس دنیا میں بناؤ، نظم اور سدھار کو پسند کرتا ہے اور بگاڑ کو پسند نہیں کرتا، لہذا اس کے ہوش مند اور سمجھدار بندے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر

اپنی حدِ استطاعت بگاڑ کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس دنیا میں بناؤ، نظم اور سدھار کو رواج دینے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کے درمیان یہی بناؤ، نظم اور سدھار کی کوشش کرنا "صلہ رحمی" کہلاتا ہے اور بگاڑ وفساد "قطع رحمی" کہلاتا ہے۔

جوڑنے اور صلہ رحمی کا عمل وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہوتی ہے اور قیامت کے دن بُرے حساب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ صلہ رحمی کا یہ عمل بے تحاشا صبر کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ اپنے اوپر جبر بھی کرنا پڑتا ہے۔ خاندانی معاملات میں رشتہ داروں کی جلی کٹی باتیں بھی سننا پڑتی ہیں۔ ان کو ترکی بہ ترکی جواب نہ دینا، ان سے میل ملاقات اسی طرح جاری رکھنا ممکن ہی نہیں اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط نہ ہو۔

سورۃ الرعد آیت نمبر 22 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾﴾

ترجمہ: "اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے، اور نماز قائم کی، اور خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا تھا پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی"

اسی طرح ایک حدیث میں جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا) (صحیح بخاری)

یعنی وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والا اپنے اقرباء کے ساتھ) بدلے کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کا حق ادا کرے جب وہ اس کے ساتھ قطع رحمی اور حق تلفی کا معاملہ کریں۔

ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو معاشرے میں یہ برائی وگندگی اور زیادہ بڑھے گی۔ اور اس کے

برعکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے امید ہے کہ جلد یا بدیر ان کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ حاصل ہوگا۔

اسی معاملہ میں ایک اور حدیث، جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بہت اہم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(إِنَّ الرَّحِمَ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ. فَقَالَ اللّٰهُ: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ)

ترجمہ: "بے شک رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے رحمان سے (اور اسی نسبت سے) اللہ نے اس سے فرمایا: جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔"

یعنی انسانوں کی باہمی قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک "رحمان" سے خاص نسبت ہے۔ اور وہی اس کا سرچشمہ ہے۔ اس خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے گا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کرلے گا اور اپنا بنالے گا، اور جو کوئی اس کے برعکس قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سے کاٹ دے گا اور بے تعلق کر دے گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کی دین میں کتنی اہمیت ہے اور اس میں کوتاہی کتنا سنگین جرم اور کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ اپنے تعلق کو ختم کردیتا ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم انہیں پوری دل سوزی خیرخواہی، غم خواری اور ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ دین کی دعوت دیں اور انہیں ان کے دینی فرائض یاد دلائیں۔ لیکن ہماری یہ دعوت بھی تبھی کارگر ہوگی جب ہم ان کے ساتھ دیگر معاملات میں صلہ رحمی کا مظاہرہ کر رہے ہوں گے۔

اللہ ﷻ سے تعلق توڑنے اور کمزور کرنے والے عوامل

اللہ ﷻ سے تعلق کو مضبوط کرنے والے اعمال کو اپنانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ ﷻ کو ناراض کرنے سے بچا جائے۔ اللہ ﷻ سے تعلق کوئی ایک دن میں قائم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لئے ایک لمبے عرصہ تک مسلسل محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے کسی بھی عمل سے ہماری سالوں کی محنت پر پانی پھر جائے اور پلک جھپکنے میں ہماری ساری محنت ضائع ہو جائے۔ لہذا ہمیں اللہ ﷻ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ساتھ یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن سے اللہ ﷻ ناراض ہوتا ہے۔ ہمیں ایسے کام کرنے سے بچنے کی ضرورت ہے۔

ہماری نظر میں ان میں سے چند عوامل درج ذیل ہیں۔

فرائض دینی کی ادائیگی میں کوتاہی

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے دینی فرائض کی ادائیگی ہی پر آخرت کی کامیابی اور اللہ ﷻ کی رضا مندی کا دارومدار ہے۔ لہٰذا نہ صرف یہ کہ دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی قطعاً ناقابلِ برداشت ہے بلکہ ہمیں ان عوامل سے بھی اجتناب کرنا چاہیے جو ہماری دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بنیں۔ اس موضوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے کتابچہ "فرائضِ دینی کا جامع تصور" کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(i) حرام کمائی سے اجتناب:

تعلق مع اللہ کو نشو و نما دینے کے لیے یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ حرام کا لقمہ انسان کا جزوِ بدن نہ بننے پائے۔ عمل صالح کی قبولیت بھی تبھی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ہمارے دینی فرائض میں سے ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں بتایا گیا ہے۔

(عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: »طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ (البیہقی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال روزی کمانے کی کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔

یعنی اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور دیگر فرائض کے بعد درجہ اور مرتبہ میں حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ بندہ اگر اس سے غفلت برتے گا تو خطرہ ہے کہ حرام روزی سے پیٹ بھرے گا اور آخرت میں اس کا انجام وہ ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔ اللہ کی پناہ نعوذ باللہ من ذلك۔ علاوہ ازیں حرام مال سے کیا ہوا صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ حرام کمائی میں برکت بھی نہیں ہوتی۔ اس بات کی وضاحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی سے اس طرح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں اللہ کے لیے صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کر جائے گا۔ تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہی ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر طیب اور پاک مال سے دیا گیا ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن ناپاک مال سے دیا گیا صدقہ بھی نجس اور ناپاک ہے۔ وہ گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ بات صرف حرام سے اجتناب تک ہی محدود نہیں بلکہ انسان کو اپنے تمام مالی معاملات کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ قیامت کے دن انسان کو اپنے پورے آمدن وخرچ کا حساب دینا ہوگا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے

دن (جب حساب کتاب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔ ایک اس کی پوری زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں اور مشغلوں میں بسر کی۔ دوسرے خصوصیت سے اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں اس نے اس کو بوسیدہ کیا۔ تیسرے اور چوتھے مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں سے اس کو حاصل کیا اور کن کاموں میں اس کو صرف کیا اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ (الترمذی)

اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کا انجام بہت خطرناک ہے جو اپنے مالی معاملات میں بے فکری سے اور بے پرواہ ہوکر کماتے اور خرچ کرتے ہیں۔

شریعت میں کچھ چیزیں اور معاملات ہیں جو بالکل صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیے گئے ہیں۔ ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے لیکن کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں کسی واضح دلیل سے معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ حلال ہیں یا حرام۔ ایسی چیزیں مشتبہ قرار پاتی ہیں۔ ایک بندۂ مومن کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ ازراہِ احتیاط اور تقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے۔ اسی میں اس کے دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں۔ پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہِ احتیاط) پرہیز کرے گا وہ اپنے دین اور آبرو کو بچالے گا اور شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا، وہ حرام کی حدود میں جا گرے گا۔ (صحیح مسلم)

امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دودھ پیش کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول فرمالیا اور پی لیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے گزر رہا تھا۔ وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں اور بکریاں وغیرہ تھیں۔

لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی دے دیا۔ یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی۔ واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو دودھ پیا تھا وہ لاعلمی اور بے خبری میں پیا تھا۔ اس لیے ہرگز گناہ نہ تھا۔ مگر حرام غذا کے بارے میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا، وہ اس سے اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکالے بغیر انہیں چین نہ آیا۔ بے شک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

(ii) بدنظری:

عام طور پر غیر محرموں کی طرف تاک جھانک کو بدنظری کہا جاتا ہے۔ جو لوگ اپنی نظروں کی حفاظت نہیں کرتے اور سامنے آنے والے ہر منظر کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں بسا اوقات ان کی یہ نظر بازی ان کے دل پر انتہائی مہلک اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ نظر ہی ہے جو پہلے دل میں محبت اور پھر عشق کی آگ بھڑکاتی ہے۔ پھر یہ آگ انسان کے چین اور سکون کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور اگلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی شرم وحیا کی متاع کو بھی یہ آگ جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور پھر جب حیا ہی نہ رہے تو پھر وہ رکاوٹ بھی ختم ہو جاتی ہے جو انسان کو گناہوں اور بدکاریوں کی اندھی وادیوں میں کودنے سے روکتی ہے۔ سورۃ النور آیت نمبر 30 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰﴾

ترجمہ: ” (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) مومنین سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یقیناً اللہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

دل کے اندر شر اور فساد آنکھوں اور کانوں کے راستے سے ہی داخل ہوتا ہے۔ اور پھر دیگر اعضاء کے بھی فساد اور بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نظر محبت پیدا کرتی ہے۔ جوں جوں محبت کا جذبہ شدید ہوتا جاتا ہے۔ محبت ایک مرحلہ کے بعد دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی جاتی ہے۔ جو لوگ

بدنظری اور وساوس کے ذریعہ اس جذبہ کی پرورش کرتے رہتے ہیں، وہ خود اور ان کا دل کسی بندہ کی بندگی کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس کے اشارہ پر ناچنے لگتے ہیں پہلے ان کا دل بادشاہ اور آزاد تھا لیکن پھر وہ اسے قیدی اور غلام بنا دیتے ہیں۔ پھر وہ حق کو حق اور باطل کو نہیں سمجھتے، یہ ایسی صورت حال ہوتی ہے جسے انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔

(اغاثۃ اللھفان: 1/ 47،48)

جولوگ بدنظری کے مریض ہوتے ہیں، ان کا عبادت میں دل نہیں لگتا، نہ ہی حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ ذکر و عبادت کے وقت وساوس کی یلغار ہوتی ہے۔ بظاہر نماز اور تلاوت میں مصروف ہوتے ہیں مگر دل کہیں اور ہوتا ہے۔ ان کے برعکس جولوگ اپنی نظر کی حفاظت کرتے ہیں، ان کے نور بصیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور انہیں عبادت میں ایسی حلاوت عطا کی جاتی ہے جس کا مقابلہ کوئی اور حلاوت نہیں کرسکتی۔

مسلمان کو ہر وقت یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں جو مفت اور بن مانگے مل گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں بھی نابینا پیدا کردیتا اور اب بھی ایسا کرنا اس کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اس نعمت کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اللہ کی نافرمانی میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا جائے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیا جو کسی نامحرم عورت کو دیکھے اور یہی فیصلہ اس کے لیے بھی ہے جس نے قصداً دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دیا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے علی! (اگر کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑ جائے) تو دوبارہ نظر مت ڈالو۔ تمہارے لیے پہلی نظر (جو بلا ارادہ اور اچانک پڑ گئی وہ) تو جائز ہے (یعنی اس پر مواخذہ اور گناہ نہ ہوگا) مگر دوسری نگاہ جائز نہیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، ابی داؤد)

(iii) والدین کے حقوق کماحقہٗ ادا نہ کرنا

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ ﷻ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہے۔ اگر ایک شخص والدین کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا تو کیا تعلق مع اللہ کو مضبوط بنانے کی اس کی تمام کوششیں کامیاب ہوسکتی ہیں؟۔ کیا ایسے شخص کا اللہ ﷻ سے کوئی تعلق قائم ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 میں اللہ ﷻ فرماتا ہے۔

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾﴾

ترجمہ: "اور فیصلہ کر دیا ہے آپ ﷺ کے رب نے کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اُس کے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک مت کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو۔"

دیکھئے کس طرح اللہ ﷻ نے اپنے حق کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ لقمان آیت نمبر 15 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۖ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾

ترجمہ: "اور اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شریک کرو اُس چیز کو جس کا تمہارے پاس کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ رہو بہتر انداز میں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر میں تمہیں جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔"

یعنی اگر والدین کفر پر جمے رہیں اور اولاد پر شرک کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ یا وہ بات منوانے کی کوشش کریں جس کی دین میں اجازت نہیں، تب بھی حکم ہے ان کے ساتھ

حسنِ سلوک کرنے کا۔ اگر چہ اس صورت میں ان کا کہا نہیں مانا جائے گا۔ لہٰذا ان کی خدمت اور اطاعت کر کے ان کی دل سے نکلی ہوئی دعائیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

والدین کی دعائیں اور خاص طور پر دل سے نکلی ہوئی دعائیں اللہ ﷻ رد نہیں فرماتا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

کہ میری والدہ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد میرے لیے دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ کر دعا کرتی تھیں کہ "اے اللہ! میرے علی کو بہت بڑا عالم بنائیو"

شیخ عبدالقادر جیلانی بچپن میں ایک مرتبہ اپنی والدہ کے ساتھ سو رہے تھے کہ والدہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے پانی مانگا۔ عبدالقادر جیلانی فوراً پانی پلانے کے لیے اُٹھے۔ دیکھا کہ گھڑے میں پانی نہیں ہے۔ اسی وقت گھر سے باہر کنوئیں پر گئے۔ پانی لیا۔ گھر واپس آ کر کٹورے میں والدہ کے لیے پانی لائے تو والدہ سو چکی تھیں۔ اب والدہ کے سرہانے پانی لیے کھڑے ہیں۔ انہیں جگایا بھی نہیں مبادا نیند خراب ہو جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی فکر کہ پیاس کے مارے کب آنکھ کھل جائے اور میں سوتا رہ جاؤں۔ کچھ دیر بعد والدہ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بیٹا پانی لیے سرہانے کھڑا ہے۔ بہت حیران ہوئیں۔ اس وقت جو دعا بیٹے کے لیے ان کے دل سے نکلی ہوگی، کیا عام حالات میں دل سے ایسی دعا نکل سکتی ہے؟

اور دعا بھی آخرت کے لیے نہ کہ دنیا کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ پھر اللہ ﷻ نے انہیں وہ مقام دیا کہ آج بھی ہم انہیں یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا والدین کی خدمت گزاری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے بے نیاز ہو کر اللہ ﷻ سے تعلق مضبوط نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ سب کچھ کر کے بھی ہم ان کا کما حقہٗ حق ادا نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ اللہ ﷻ سے ہر وقت یہ دعا کرتے رہیں۔ جو سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 24 میں اللہ تعالیٰ نے تلقین فرمائی ہے۔

﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾

ترجمہ: "اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے مجھے پالا جب میں چھوٹا تھا"

(iv) برے ہم نشینوں کی صحبت سے اجتناب

برے دوستوں کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہیے۔ برے دوست برائی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ برے دوستوں کی محفل میں انسان گالیاں سیکھتا ہے۔ گالم گلوچ کرتا ہے۔ دوسروں کو برے نام سے پکارتا ہے غیبت کرتا ہے۔ شرفاء و بزرگ حضرات کا مذاق اڑاتا ہے۔ ایسے ماحول میں نیکی کیسے پنپ سکتی ہے۔ سورۃ الفرقان آیت نمبر 27 تا 29 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آخرت کا ایک نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح اپنی جان پر ظلم کرنے والے دنیا میں برے دوستوں کی صحبت اختیار کرنے پر پچھتا رہے ہوں گے۔

﴿وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾﴾

ترجمہ: "اور جس دن ظالم حسرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا کہے گا: کاش! میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا! ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو (اپنا) دوست نہ بنایا ہوتا!۔ اُس نے مجھے گمراہ کر کے 'ذکر' (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بمعنیٰ دین) سے برگشتہ کر دیا اس کے بعد جبکہ وہ میرے پاس پہنچ گیا تھا اور شیطان تو انسان کو آخر دغا دینے والا ہے۔"

یہی بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمائی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس ہر شخص کو چاہئے کہ وہ چوکنا رہے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے۔"

کسی بزرگ کا قول ہے کہ: "انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔"

تعلق مع اللہ کے لئے جدوجہد وریاضت

اوپر بیان کردہ تمام کام نفس پر بہت بھاری ہیں۔لہٰذا نفس کو ان کا عادی بنانے کے لیے بہت زیادہ جدوجہد اور ریاضت کی ضرورت ہے۔یہ جدوجہد بذات خود تعلق مع اللہ کو بڑھانے میں ممدومعاون ثابت ہوتی ہے۔مزید برآں جوں جوں انسان محنت کرتا چلا جاتا ہے، اللہ ﷻ نہ صرف اس کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی فرماتا چلا جاتا ہے، بلکہ اس کی سیدھے راستہ پر چلنے میں مدد بھی کرتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنا اس کے لیے آسان بھی کر دیتا ہے۔

جیسا کہ اللہ ﷻ نے سورۃ العنکبوت آیت نمبر 69 میں فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

ترجمہ:" اور جو لوگ ہمارے راستہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف اور اللہ ﷻ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اللہ ﷻ اپنے بندوں کو ترغیب دلا رہا ہے کہ جو لوگ اس کے راستے میں جدوجہد کریں گے، اللہ ﷻ انہیں اپنے راستوں کی طرف ہدایت عطا فرما دے گا۔ بے شک اللہ ﷻ عمدگی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ ﷻ کو اپنا بنانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ کام صرف خواہشات سے نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اپنے آپ کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کھپانا پڑے گا۔ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا ہوگا۔ اللہ ﷻ کے دین کی دعوت پیش کرنے میں جو مشکلات آئیں گی، ان پر صبر کرنا پڑے گا۔ نفاذِ دین کے لئے محنت کرنی ہوگی۔ اس تمام جدوجہد کے نتیجے میں پہلا انعام جس کا اللہ ﷻ نے یہاں تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے راستے کھول دے گا۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ ﷻ فرماتا ہے۔ میرا بندہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ میرا بندہ مجھے کسی مجلس میں یاد

کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ میرا بندہ ایک بالشت میری طرف آتا ہے تو میں ایک ہاتھ بھر اس کی طرف آتا ہوں۔ میرا بندہ ایک ہاتھ بھر میری طرف آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف آتا ہوں۔ میرا بندہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

اللہ ﷻ کی عطا میں کوئی کمی نہیں۔ کمی ہماری طرف سے ہے۔ دوسرے انعام کا ذکر اللہ ﷻ فرما رہا ہے کہ وہ عمدگی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ان لوگوں کو اللہ ﷻ کی خصوصی معیت نصیب ہوتی ہے۔ ان ہی لوگوں کے ساتھ اللہ ﷻ کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی راہ میں مستقل جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ ﷻ محسنین میں ہمارا شمار کرے اور ہمیں اپنی خاص معیت اور نصرت بھی عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

تعلق مع اللہ کو ناپنے کا پیمانہ (۱)

"ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ہمارا اللہ ﷻ سے تعلق کیسا ہے اور اگر تعلق ہے بھی تو وہ مزید بڑھ رہا ہے یا کم ہو رہا ہے۔ اسے معلوم کرنے کے لیے نہ تو خواب کی بشارتوں یا کشف و کرامات کے ظہور کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی اندھیری کوٹھری میں انوار کے مشاہدے کے انتظار کی حاجت ہے۔ اس تعلق کو ناپنے کا پیمانہ تو اللہ ﷻ نے ہر شخص کے دل میں رکھ دیا ہے۔ آپ بیداری کی حالت میں اور دن کی روشنی میں ہر وقت اس کو ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کا، اپنی کوششوں اور اپنے جذبات کا جائزہ لیجیے۔ آپ کی کوششیں دنیا کے لیے زیادہ لگ رہی ہیں یا آخرت کے لیے؟ آپ ایمان لا کر اللہ ﷻ سے "بیع" کا جو معاہدہ کر چکے ہیں اسے کہاں تک نباہ رہے ہیں۔ آپ کے اوقات، محنتوں، صلاحیتوں اور اموال کا کتنا حصہ اللہ ﷻ کے کام میں صرف ہو رہا ہے اور کتنا حصہ اپنے آرام آسائش، زیب وزینت، اور فضول اور بے مقصد کاموں میں خرچ ہو رہا ہے۔ جب ہمارے مفادات اور جذبات پر چوٹ پڑے تو ہمارے غصے اور بے چینی کا کیا حال ہوتا ہے اور دین کے معاملے میں سرکشی اور بغاوت ہو رہی ہو تو اسے دیکھ کر ہمارے غضب اور بے چینی کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ یا کم از کم دل بھی کڑھتا ہے یا نہیں؟ اس طرح اور بھی بہت سے سوالات ہیں جو ہم خود اپنے نفس سے کر سکتے ہیں اور روزانہ ان کا جواب لے کر اپنا جائزہ خود لے سکتے ہیں کہ ہمارا اللہ ﷻ سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کتنا ہے؟ اس میں کمی ہو رہی ہے یا اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اگر معلوم ہو کہ ہاں کسی درجہ میں اللہ ﷻ سے تعلق بن رہا ہے تو اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں اور ثابت قدمی کے ساتھ اس راہ پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں۔"

---

(۱) "(راہِ حق کے لیے ضروری توشہ) کے موضوع پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تقریر سے اقتباس"۔

ماخذ: "تحریک اور کارکن" صفحہ 125

خاتمۂ کلام:

اوّلین چیز جس کی ہدایت انبیاء خلفائے راشدین اور صلحائے امت ہر موقع پر اپنے ساتھوں کو دیتے رہے ہیں، وہ اللہ سے ڈرنے، اس کی محبت دل میں بٹھانے اور اس کے ساتھ تعلق بڑھانے کی ہدایت ہے۔ ہم بھی اس کے اتباع میں اپنے رفقاء کو یہی نصیحت کرتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کو ہر دوسری چیز پر مقدم ہونا چاہئے۔ عقیدت میں اللہ ﷻ پر ایمان مقدم ہے۔ عبادت میں اللہ سے دل کا لگاؤ مقدم ہے۔ اخلاق میں اللہ ﷻ کی خشیت مقدم ہے۔ معاملات میں اللہ کی رضا کی طلب مقدم ہے۔ ہماری ساری زندگی کی درستگی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہماری دوڑ دھوپ اور سعی و جہد میں رضائے الٰہی کی چاہت ہر دوسری غرض پر مقدم ہو۔ پھر خصوصیت کے ساتھ یہ کام جس کے لئے ہم ایک تنظیم کی صورت میں اٹھے ہیں، یہ تو سراسر تعلق مع اللہ ہی کے بل پر چل سکتا ہے۔ یہ کام اسی صورت میں تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے گا اور تنظیم بھی اسی صورت میں زیادہ مضبوط ہوگی جتنا ہمارا تعلق اللہ کے ساتھ مضبوط ہوگا۔ بصورت دیگر تعلق مع اللہ کمزور ہونے کی صورت میں تنظیم بھی کمزور ہوگی اور کام یا تو آگے ہی نہیں بڑھے گا یا سست روی کا شکار ہو جائے گا۔ آدمی جو کام بھی کرنے اٹھتا ہے، خواہ وہ دین کا کام ہو یا دنیا کا، اس کا اصل محرک وہ غرض ہوتی ہے جس کی خاطر وہ کام کرنے اٹھا ہے۔ اس کام میں سرگرمی بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ اس غرض کے ساتھ آدمی کی دلچسپی میں گہرائی اور گرم جوشی ہو۔ ہم اور ہمارے ساتھی جس کام کو سمجھ کر تنظیم میں شامل ہوئے ہیں۔ یہ کام نہ تو ہم اپنے نفس کے لئے کر رہے ہیں، نہ ہی کسی خاندانی غرض کے لئے، نہ ہی کوئی ملکی یا قومی مفاد ہمارے پیشِ نظر ہے۔ بلکہ ہم تو صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے تنظیم میں شامل ہوئے ہیں کہ تنظیم ہماری آخرت میں کامیابی کے لئے ممدّ و معاون ہے۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی مدد حاصل ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس سے ہمارا تعلق گہرا اور مضبوط نہ ہو۔ تنظیم کے کام میں سرگرمی اسی وقت آسکتی ہے جب ہماری ساری رغبتیں نفاذِ دین کی جد و جہد پر مرکوز ہو جائیں۔ اس کام میں جو

لوگ شریک ہوں، ان کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہو بلکہ ان کا تعلق اللہ ﷻ ہی سے ہونا چاہئے۔ اسے تعلقات میں سے ایک نہیں بلکہ ایک ہی اصل اور حقیقی تعلق ہونا چاہئے اور انہیں ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہنی چاہئے کہ اللہ سے ان کا تعلق گھٹے نہیں بلکہ روز بروز بڑھتا اور گہرا ہوتا چلا جائے۔

اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے لیے اپنے راستہ میں زیادہ سے زیادہ ذوق وشوق اور محبت سے محنت کرنے کی توفیق بڑھائے نیز ہمیں اور تمام اہل ایمان کو آخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین